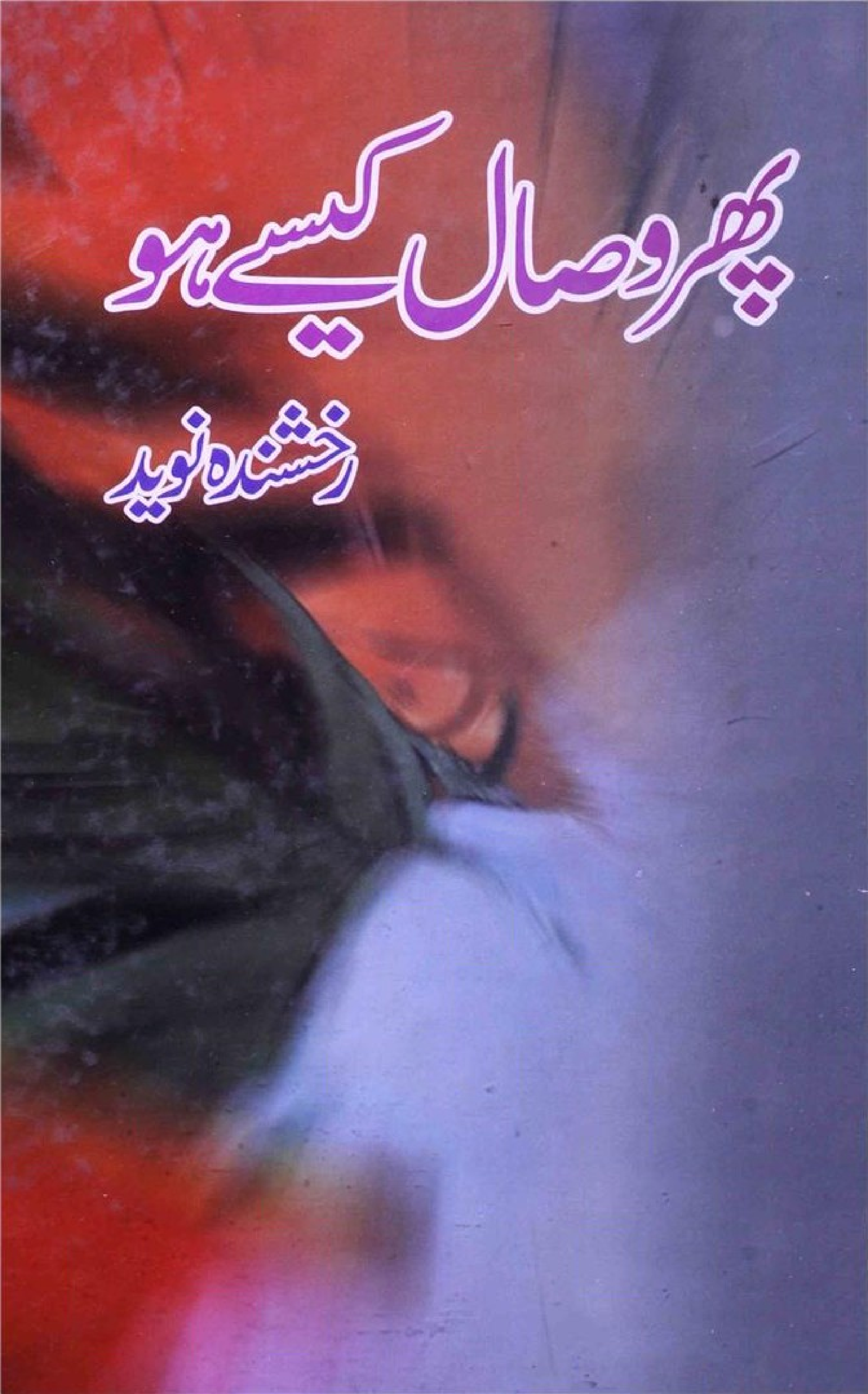

پھر وصال کیسے ہو
رخشندہ نوید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پھر وصال کیسے ہو

پھر وصال کیسے ہو

رخشندہ نوید

روشنک

باوقار اشاعت

زیر اہتمام

"روشنک"

(امن و آشتی کی علمبردار ادبی تنظیم)

0333-4268791
rashnyck@yahoo.com
اہتمام اشاعت رخشندہ نوید
روشنک (امن و آشتی کی علم بردار ادبی تنظیم)
پی او بکس 9176 علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
سالِ اشاعت یکم جنوری ۲۰۰۴ء
سرورق آغا نثار
مطبع شرکت پریس، لاہور
قیمت -/150 روپے
10$ امریکی ڈالر UK 7 پاؤنڈ

انتساب

اپنے ابو کے نام

جو میرے عزم کے روپ میں

زندہ ہیں

تنہا تھی اس سفر میں کوئی جانتا نہ تھا
مجھ کو مرے ہی گھر میں کوئی جانتا نہ تھا

فہرست

رخشندہ نوید کا فن غزل سے زیادہ نظم میں کھل کر اظہار پاتا ہے۔ غزل میں بھی وہ ''میں اپنے ساتھ ہوتی ہوں کبھی تنہا نہیں ہوتی'' کی سی نازک کیفیات کو سموتی ہیں۔ مگر میرا اندازہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر نظم کی شاعرہ ہیں۔ اس کی نظموں کے موضوعات میں تنوع ہے چنانچہ اس تنوع میں اس کے باطن کی ترجمانی بھی ہے اور خارج کی عکاسی بھی۔ اس عکاسی میں عورت کے گھریلو مسائل کے علاوہ معاشرتی انتشار، سیاسی بے یقینی اور مستقبل کی گومگو بھی کارفرما ہے اور ان سب مسائل کے بارے میں شاعرہ کا اپنا رویہ اور نظریہ بھی، جس پر کہیں اثبات کی روشنی پڑتی تو کہیں المیہ کی دُھند چھا جاتی ہے اور لمحہء رواں کی صورت حال بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ چنانچہ رخشندہ نوید اس لمحے کو اپنے فن کی گرفت میں لانے کی سعی کرتی نظر آتی ہے۔ اس کے فن کے تیور اس امر کے غماز ہیں کہ اس کے وجود میں مستقبل ایک بہت اچھی شاعرہ اپنی بھرپور آب و تاب کے ساتھ پروان چڑھ رہی ہے۔

احمد ندیم قاسمی

رخشندہ نوید جدید اُردو شاعری میں ایک نئی وضع کی شاعری لے کر داخل ہوئی ہے۔ گزشتہ چند برسوں سے اکثر شعراء اور شاعرات کی معرفت اقلیم شعر میں اُس طرزِ شعر کا غلبہ رہا جس نے شاعری کو کشش سے محروم کر دیا۔ اَب کچھ دنوں سے کچھ شعراء اور شاعرات نے اُردو شاعری میں ایک نئے طرزِ احساس اور ایک نئے طرزِ فکر کے پیدا ہونے کے امکانات کا در وا کیا ہے۔ ان چند ناموں میں رخشندہ نوید ایک پر کشش اضافہ ہے۔ اس کے موضوعات روشِ عام سے ہٹے ہوئے اور ان کی تفصیلات کے بیان کا انداز مختلف ہے۔ رخشندہ نوید کی شاعری میں تازگی کی خوشبو ہے جو رواجِ عام میں لکھی گئی شاعری سے گھبرائے ہوئے دل و دماغ کو خیالوں کی ایک نئی دُنیا کی سمت اشارہ کرتی ہے اور قیدِ معمول سے رہائی دیتی ہے۔

منیر نیازی

نعت

اندھیروں میں جگنو سمیٹے کھڑی ہوں
کرم اُن کے ہر سو سمیٹے کھڑی ہوں

کھڑی ہوں میں روضے کی جالی سے لگ کر
میں خوشبو ہی خوشبو سمیٹے کھڑی ہوں

منور کروں گی سلاموں کے سورج
میں انوارِ "یاہو" سمیٹے کھڑی ہوں

وہ جن سے ہو زیر و زبر دل کی دنیا
وہ لفظوں کے جادو سمیٹے کھڑی ہوں

کہاں میرے اعمال پلکیں اٹھاؤں
میں عاصی ہوں پہلو سمیٹے کھڑی ہوں

بہاؤں گی طیبہ کی گلیوں میں جا کر
میں رخشندہ آنسو سمیٹے کھڑی ہوں

نعتیہ نظم

وقت ایسے ہزار بار آئے
جب سکوں چار سو نہیں ملتا
کوئی امید بر نہیں آتی
آس کا پھول بھی نہیں کھلتا

ایسے لمحے میں ایسا لگتا ہے
جیسے عالم میں آسرا بھی نہیں
اکثر ایسا گمان ہوتا ہے
آسماں پر کہیں خدا بھی نہیں

اس پشیمانیٔ تمنا میں
ہم نے بھی آزما کے دیکھا ہے
جب کبھی دل ملول ہوتا ہے
اسمِ احمد کے نور برکت سے
رحمتوں کا نزول ہوتا ہے

ذکر محبوبِ ربِ دو عالم
مشکلوں کی گھڑی میں کام آئے
چاک دامن بھی ہو رفو از خود
زندگانی بھی آسرا پائے
پھول ہی پھول ہوں سرِ ہستی
لب پہ جب بھی نبی کا نام آئے

سلام

وہ جن کے خیمے سرِ شام جلتے رہتے ہیں
انہیں کے نقشِ کفِ پا دمکتے رہتے ہیں

یہ پیاس اپنے لبوں پر کبھی نہ دم توڑے
چلو یہ کوزہ پکڑ کر بھٹکتے رہتے ہیں

انہی کی یاد میں ہر شب سحر تلک اب بھی
لبِ فرات ستارے ابھرتے رہتے ہیں

عجب سی مستیٔ جذب و جنوں میں نوحہ گراں
پکارتے ہیں حسینؑ اور تڑپتے رہتے ہیں

گئے تو خواب سکینہ کے سب گئے بابا
پلک میں خار ہر اک لمحہ چبھتے رہتے ہیں

⦿

دل کے اِک اِک شوق پر قربان تھا، وہ بھی گیا
وہ بھی مجھ جیسا الگ انسان تھا، وہ بھی گیا

پتّی پتّی غنچۂ الفت بکھر جانے کے بعد
باقیاتِ ربط میں اک مان تھا، وہ بھی گیا

جاتے جاتے لے اڑی اطراف سے خوشبو ہوا
گھر سجا لینے کا کچھ سامان تھا، وہ بھی گیا

خود سمندر میں ڈبو دیں کاغذوں کی کشتیاں
پار لگنے کا جو اک امکان تھا، وہ بھی گیا

اب بچا کر خود کو کیا کرنا ہے رخشندہ تمہیں
وہ جو تیرے حوصلوں کی جان تھا وہ بھی گیا

⦿

پرندوں کی طرح بستی میں کوئی آشیاں ڈھونڈیں
چلو اے ہم سفر خاکِ زمیں پر آسماں ڈھونڈیں

وہ اک خوشبو سا لمحہ جس کو عہد زرد نے چھینا
درختوں سے گھرے جنگل میں اس کو جانِ جاں ڈھونڈیں

کٹی اک عمر بیٹھے ذات کے بنجر کناروں پر
کبھی تو خود میں اتریں اور اسبابِ زیاں ڈھونڈیں

مبادا، خاکِ دل اک دن الاؤ میں ہی ڈھل جائے
لب دشتِ تمنا کے لیے آبِ رواں ڈھونڈیں

◉

چہرہ چہرہ کھِلے گلاب کو رہنے دے
مالک کچھ دن اور شباب کو رہنے دے

ریت روایت اور آداب کو رہنے دے
میرے اپنے بیچ حجاب کو رہنے دے

میں جب تیرے دل کی بات ہی جان گئی ہوں
چھوڑ سوال کا ساتھ جواب کو رہنے دے

جو کہنا ہے سیدھے سادے لفظ میں کہہ
القابات کو آپ جناب کو رہنے دے

رات کے ساتھ ہی بات گئی رخشندہ جی
رات کے جھوٹے سچے خواب کو رہنے دے

◉

اُتر کر دیکھ دریا میں کہاں گرداب ہوتے ہیں
سکوں کے چند لمحے بھی بڑے نایاب ہوتے ہیں

میں جب بھی ڈوبنے لگتی ہوں گردش میں زمانے کی
تماشا دیکھنے والے مرے احباب ہوتے ہیں

بھلا پھر کس طرح ان آنسوؤں میں ربط پیدا ہو
مری پلکوں کے چلمن پر تو ٹوٹے خواب ہوتے ہیں

خود اپنی ذات میں شامل کسی کو کر لیا جائے
کسی کو بھولنے کے کیا یہی آداب ہوتے ہیں

بڑی خود اعتمادی ہے کہ یادوں کے اندھیروں میں
مری دونوں نگاہوں میں جلے مہتاب ہوتے ہیں

اپنے پیچھے ایک کہانی چھوڑ گیا
آنکھوں کے دریا میں پانی چھوڑ گیا

جھوٹ اور سچ کے تانے بانے بُنتی ہوں
لفظوں کے ان گنت معانی چھوڑ گیا

جب تک اس کی جیت رہی وہ ساتھ رہا
اور جب میں نے ہار نہ مانی چھوڑ گیا

میں تو پگ پگ خواب بکھیرے بیٹھی ہوں
خواب کی تُو ہی گلہ بانی چھوڑ گیا

بادل، خوشبو، ہوا مری دو آنکھوں میں
جانے کیوں ہر شام سُہانی چھوڑ گیا

پہلا مصرع سن کر ٹھہرا دو اک پل
اور لبوں پر مصرِعۂ ثانی چھوڑ گیا

◉

ایک اک جذبے کو بے مہار کرنا تھا
وہ تو ایک دریا تھا مُجھ کو پار کرنا تھا

عشق کی کہانی میں موت المیہ کب تھی
خواہشوں کو ہاتھوں سے زیبِ دار کرنا تھا

وہ بھی کہہ گیا یونہی لوٹ کر پھر آؤں گا
مجھ کو بھی اب ایسے ہی انتظار کرنا تھا

آنکھ کو سنوارا تھا پھر گھٹا کے کاجل سے
حسن کی تمازت سے ان کو چار کرنا تھا

انتظار میں تیرے کتنی بار دھڑکا دل
کچھ یقین کرنا تھا کچھ شمار کرنا تھا

کس قدر خموشی سے سہہ گئی تھی رخشندہ
کچھ تو سوچ کر آخر اس پہ وار کرنا تھا

⊙

جواں رُت تھی پھر افسانے بھی نکلے
میرے منہ پر بہت دانے بھی نکلے

سبھی آئے مری جانب سنبھل کر
مگر کچھ تم سے دیوانے بھی نکلے

ادھورے شعر سے کچھ خواب اپنے
ہمیں نیندوں سے بھٹکانے بھی نکلے

تمہارے ساتھ رستے باغ جیسے
تمہارے بعد ویرانے بھی نکلے

وہ جب ٹھنڈا ہوا غربت کے ہاتھوں
اُسی مٹھی سے چار آنے بھی نکلے

وہ سُولی پر بھی اپنے آپ لٹکے
نکو کاروں پہ جرمانے بھی نکلے

سکوں آور دوائیں

کہیں اک چائے کے کپ میں
کبھی کافی کی پیالی میں
یونہی سگریٹ کے کش میں صرفِ جاں کرتے ہوئے
کبھی آئینے کے آگے سحر سے شام تک بے ربط باتوں کو
بیاں کرتے ہوئے
شبِ فرقت کے صحرا آشنا تاروں کی سنگت میں
بنا پلکوں کو موندے رات بھر سو کر
کسی محفل میں بھی گھنٹوں تلک خاموش ہو کر

⊙

جنون دیکھے دل و جگر کے عذاب دیکھے
زمیں کی باسی نے آسمانوں کے خواب دیکھے

نظر نظر پر منافقت کے نقاب دیکھے
بغل میں خنجر تو لہجہ لہجہ گلاب دیکھے

سرِ فلک چاند دُور سے دیکھتے رہے ہم
وفا کے گوہر جو دیکھے، سب زیرِ آب دیکھے

میری دُعا ہے میری شکایت نہ معتبر ہو
تو فیصلہ اپنے حق میں روزِ حساب دیکھے

یہ تجربے سب عمل کے قابل ہیں، جانتی ہُوں
کہ میں نے دنیا کے زیر و بم پیچ و تاب دیکھے

درونِ دل لگا کر اک شغل پڑھنے کا لکھنے کا
کوئی بھی روگ سینے میں چھپا کر مرنے مٹنے کا
کوئی پنچھی پکھیرو گھر کی چھت پر پال لینے سے
درودیوار پر ہلکے پیازی کاسنی پھولوں کی بیلیں ڈال لینے سے
کبھی تنہائیوں کی شاخ سے خاموشیاں چن کر
ہجومِ نفس کے صحرا میں چلتے چلتے تھکنے پر سرائیں ڈھونڈ لیتے ہیں
ہم اپنے دل کے آنگن کے لیے ٹھنڈی ہوائیں ڈھونڈ لیتے ہیں
کسی بھی شکل میں سب ہی سکوں آور دوائیں ڈھونڈ لیتے ہیں
کہیں اک چائے کے کپ میں
کبھی کافی کی پیالی میں

اور دل کے دریا میں

پانی میں گرے پتھر
ارتعاش لمحوں کا اور پلک جھپکتے ہی
پل میں پھر سے ٹھہراؤ
دل پہ جب بھی چوٹ آئی
کتنا گہرا تھا گھاؤ
فرق اک انوکھا سا،
قدر مشترک بھی ہے، دل میں اور دریا میں
اصل میں سبک پتھر پانیوں میں گرتے ہی
تہہ میں جا لگے اک دم
اور دل کے دریا میں یاد کی لہر بن کر تیرتی رہے ناؤ

دل پہ جب بھی چوٹ آئی
اک طویل مدّت تک بھر نہیں سکا گھاؤ
پانی میں گرے پتھر
ارتعاش لمحوں کا
اور پلک جھپکتے ہی
ایک پل میں ٹھہراؤ
دل پہ جب بھی چوٹ آئی
اک طویل مدّت تک بھر نہیں سکا گھاؤ

بارٹر سسٹم

پہلی محبت

میں نے

بطن مادر میں کی

اپنے خالق اپنے رازق سے

دوسری محبت

مجھ سے میری ماں نے کی

شفاف محبت

ایک محبت اور میرے بچپن کی شگفتہ یاد سے بھی وابستہ ہے

اس کے بعد کی

اک اک چاہت اور محبت

رشتے جذبے اور ناطے

سب بارٹر سسٹم کے ہاتھوں پامال ہوئے

اسیرِ ذات ہُوں

مرے کھیتوں کو چگنے سے بہت
پہلے
مرے آنگن میں
چڑیوں نے دُہائی دی
اسیرِ ذات ہوں
جب سے
مرے صیاد
نے مجھ کو رہائی دی
کنارے جھیل کے
اُڑتے پرندوں کو

شکاری ہاتھ نے داغا
تو اُس کی آخری ہچکی سنائی دی
وہ جب مجھ سے بچھڑنے کے لئے لوٹا
درو دیوار نے
آواز اُسے اک
الوداعی دی
اسیرِ ذات ہوں
جب سے
مرے صیاد نے
مجھ کو رہائی دی!

تعاقب

رات شور رہتا ہے
مختلف کتابوں میں
ان گنت حوالوں کا
جاگتے سوالوں کا

بوجھ دل پہ رہتا ہے
ڈائری کے سینے میں
زندگی کے پوشیدہ
راز راز سطروں کا

رات شور کرتی ہے
دیکھ دیکھ کر چہرہ
ذہن کے دریچے سے
جھانکتے سوالوں کا!

خوشبو کا کھیل

خیالوں کی دنیا کے بے خواب رستے
تمنا کے ایوان چُپ چاپ سارے
میں چلتی رہی ہُوں ہوا کی طرح
مست قدموں کی جھنکار کی آرزو میں!
یہ بے نام خوشبو، یہ گھنٹی میرے دل میں بجتی رہی ہے
یہ بے نام خوشبو یہ دھڑکن میرے لب پہ بجتی رہی ہے
یہ بے نام خوشبو وہ جھونکا نہیں ہے
نہ میرے مسیحا کی آوازِ پا ہے
میں خوشبو کے ہاتھوں میں
کھیلی بہت ہوں
میں اب بھی اکیلی اکیلی بہت ہوں

تو پھر بچھڑ جا

ابھی پرندہ چہک رہا ہے
کوئی کسی سے بچھڑ گیا ہے!
منڈیر پر میری کون اترا
گئے زمانوں کی بازگشتوں کی صورتوں میں
کسی پرانی گلی کے ٹوٹے مکاں کی چھت پر
ابھی پرندہ چہک رہا ہے
زمین اور آسماں پہ پھیلے ہر اک اجالے کی انتہارات چومتی ہے

یہ دنیا اک گول دائرے میں ہی گھومتی ہے
دراڑ سے آسماں کی، راتوں کو، سحر تک
تُو رسا کھلے گا
بچھڑ کئی بار مجھ سے، اک بار پھر ملے گا
اگر ملے تو میں گود میں تیری سر کو رکھ کے ذرا سا رو لوُں
جو اشک مدّت سے چہرہ درد کی تہوں میں کہیں رواں ہیں
ان آنسوؤں سے پلک کی چلمن ذرا بگھو لوں
تو پھر بچھڑ جا!

سانولی

اُسے میری محبت کی ہوا تک
چھو نہیں پائی
کبھی کھلتے گلابوں کی
اُسے خوشبو نہیں بھائی
رہی اک عُمر اُس کے ساتھ
لیکن جان کب پائی
اُسے رنگت سفید اور سُرخی مائل اچھی لگتی تھی
ادھر میں حسن کے کھلیان میں رکھی سلونی سانولی
گندم کی بالی تھی
اُسے رنگت سفید اور سُرخی مائل اچھی لگتی تھی!

مسکراتی ہُوں

سینے پہ اُگے
بالوں کی طرح تیرے وجود کی دیواروں پر
امر بیل کی صورت
اُگے رہنے کے شوق کے ہاتھوں!
جسم و جاں کی نرم مٹی
کی گوڈی کرواتے ہوئے مسکراتی ہُوں

نباہ

دو عالم کسی کی چاہ میں ہے
پریتم کے سنگ نباہ میں ہے
تتلی نے جیسے رنگوں کو
اور دل نے شوخ امنگوں کو
کوئی راہرو کھوئی راہوں پر
چہرے نے دونوں آنکھوں پر
کسی بھولی بھٹکی چاہت تک
کسی سچے خواب کی راحت تک
جس طرح فلک پہ تارے نے
چشمے پر میٹھے دھارے نے
جیسے پھول نے کومل خوشبو کو
کہیں جنگل نے کسی آہو کو
لے رکھا اپنی پناہ میں ہے
تری ذات بھی میری نگاہ میں ہے

⊙

کبھی خود سے الجھی ہوں تجھ سے لڑی ہوں
ہوا چھُو کے گزری تو میں رو پڑی ہوں

مہک روح میں ہے گلابوں کی صورت
بلا سے جو کانٹوں میں تنہا کھڑی ہوں

یہ کون آ گیا یاد اس پہر مُجھ کو
میں کیوں اپنے بستر پہ اوندھی پڑی ہوں

کوئی موج تن کا گھرَندا نہ ڈھا دے
کنارے سمندر کے تنہا کھڑی ہوں

مجھے چاند تاروں سے رغبت بہت تھی
چمکتے ہوئے آنسوؤں کی لڑی ہوں

میں اب اِک تناور شجر بن چکی ہوں
میں پکّی زمینوں کے اندر گڑی ہوں

⦿

خواب کے بکھرے خیالوں کی چُبھن جاتی نہیں
رات بھر سونے سے بھی اپنی تھکن جاتی نہیں

ہونے نہ ہونے کا واہمہ بوجھ کا محور رہا
خواہشات نا تمام ، ان کی دکھن جاتی نہیں

جانے کن صحرا نوردوں نے ہوا کو رکھ لیا
آج کل خوشبو سوئے کوہ و دمن جاتی نہیں

اور بھی کچھ ہیں مراحل عشق کے ساحل تلک
درد دریا پار کرنے سے لگن جاتی نہیں

اُس کے دروازے پہ دریوزہ گروں کا اِک ہجوم
میں، میری خواہش، دریدہ پیرہن جاتی نہیں

⊙

رُو برو اک اونچا در تھا ، تجھ کو کیا تھا
مجھ کو رسوائی کا ڈر تھا ، تجھ کو کیا تھا

اے ہوا رکتی ذرا پھولوں میں تُو ہی
موڑ پر میرا تو گھر تھا؟ تجھ کو کیا تھا

مجھ کو تیرے غم کی آندھی لے اُڑی تھی
آنکھ تر تھی ، چہرہ تر تھا ، تجھ کو کیا تھا

میں محبت کو عبادت کر رہی تھی
اور تری آنکھوں میں شر تھا، تجھ کو کیا تھا؟

میں نے رخشندہ تجھے پھر اڑتے دیکھا
شاخ پر اک زخمی پَر تھا ،تجھ کو کیا تھا

⊙

مکمل کہانی ابھی کب ہوئی تھی
میں تھی برف، پانی ابھی کب ہوئی تھی

نئی دلکشی دیکھ کر چونک اُٹھتا
میں اتنی پرانی ابھی کب ہوئی تھی

یہ دو چار آنسو تھے پہلی گھٹا کے
لہو کی روانی ابھی کب ہوئی تھی

جئے جتنا بے کار لمحوں کی زد میں
جواں زندگانی ابھی کب ہوئی تھی

مقابل تھے طوفان موج اور ناؤ
وہاں کشتی رانی ابھی کب ہوئی تھی

ہمیں منتظر خوشبوؤں کے تھے ورنہ
کوئی رُت سہانی ابھی کب ہوئی تھی

⊙

کچھ نہ کچھ اس سے رابطہ تو رہے
دشمنی کا ہی سلسلہ تو رہے

راکھ کر دیں مرا وجود مگر
ان ہواؤں کا سامنا تو رہے

بے کلی پور پور میں رچ بس
زندگی میں کوئی مزہ تو رہے

درج کروائے دل حکایتِ غم
اس کے مکتب میں داخلہ تو رہے

روز و شب آنسوؤں کی بستی میں
پار لگنے کا حوصلہ تو رہے

یاد میں بھیگتا خیال ترا
میری آنکھوں میں تیرتا تو رہے

⦿

اب اپنے دوست اور دشمن کی بھی پروا نہیں ہوتی
میں اپنے ساتھ ہوتی ہوں کبھی تنہا نہیں ہوتی

سبھی آنکھوں میں بہتی کشتیوں کو تیرتا دیکھیں!
یہ مَوجِ بے کراں تہہ میں سَرِ دریا نہیں ہوتی

وہ جس دنیا کو سوچا خواب میں، وہ اور دنیا تھی
مگر جیتے ہیں ہم جس میں یہ وہ دنیا نہیں ہوتی

نگاہِ انتخاب اتنے مناظر سے گزر آئی!
فتورِ شوق میں تصویر ہی یکجا نہیں ہوتی!

زمیں اپنی، فلک اپنا ہے، شہر اپنا، گلی اپنی
مگر پھر بھی ہوا نکلے تو آسودہ نہیں ہوتی

⦿

وُہ اُس دن لے کے ڈھال آیا نہیں تھا
مجھے پھر بھی جلال آیا نہیں تھا

میرے گلشن سے کم کرنا شکایت
تو خود خوشبو کی چال آیا نہیں تھا

بچھڑ جانے سے میرے اور اس کے
محبت کو زوال آیا نہیں تھا

مگن تھی اس قدر اپنے میں شاید
کبھی اس کا خیال آیا نہیں تھا

ہمیشہ سے زمانے کو گِلہ تھا
مگر قحط الرجال آیا نہیں تھا

تیرا گھر دکھائی دے

خواہشوں کے دریا میں
ڈوبنا نہیں اچھا
بے ثمر امیدوں میں
جھانکنا نہیں اچھا
اُس ڈگر پہ چلنا ہے
جس کے ہر کنارے پر
تیرا گھر دکھائی دے
نقشِ پا منور ہُوں
راستہ سُجھائی دے!

جذبے راکھ کر

روح کھینچے جسم سے
لیکن کہے تُو بول نہ
دَر پہ ٹھہرے رات دن
دیتا رہے اِک ہی صدا
دروازہ اپنا کھول نہ!
چاہ کی بستی میں
خوابوں کا کوئی بھی مول نہ!
راہ میں اُلفت کی اپنے
خیمے سارے راکھ کر
جتنے بھی جیون میں جذبے
جیتے ہارے راکھ کر

دوستوں کو ساتھ رکھ

حلقۂ یاراں کی گلیوں میں کٹے بے مہر دن
بے مروّت شہرِ جاناناں میں شامیں گھل گئیں
میں مری تنہائیاں ، تنہائیوں کے فیصلے
رنجِ دوراں میں پلک کی جھالریں بھی ڈھل گئیں
ترک کی جب سے نشستِ بزمِ احبابِ نگار
دل میں اندر کی طرف کچھ کھڑکیاں سی کھل گئیں

میں نے جب سوچا کہ دستِ غم گساراں چھوڑ دوں
آسمان پر اڑتے رنگین بادلوں کو تھام لوں

پھول کلیوں چاند تاروں ساحلوں کا نام لوں
تتلیوں، پریوں، پرندوں، خوشبوؤں کا نام لوں
کوئلوں، چڑیوں، پپیہوں، جگنوؤں کا ساتھ ہو
ساتھ رہنے والے ہر دم دوستوں کا ساتھ ہو

آبشاروں جھیلوں جھرنوں کے کنارے گھر بنے
خواہشوں، خوابوں خیالوں کے سہارے گھر بنے

روح کی بارش

کسی وحشت کی بستی کے عنابی آسماں نیچے
کسی لمبی سڑک کی برف سی ٹھنڈی ہوا کے سنگ
جب چلنا پڑا اک دن
تری یادوں کی اک پتلی سی چادر تن پہ اوڑھے تو
مجھے اس روح پر گرتے ہوئے
بارش کے چھینٹوں نے
مکمل سر سے پاؤں تک بگھو کر رکھ دیا!

پھر وصال کیسے ہو

جب کسی کی آہٹ کو کان ہی ترس جائیں
بے ثمر دعاؤں کے حرف لوٹ کر آئیں
رات دن کا ہر لمحہ جب محال ہو جائے
پھر وصال کیسے ہو
شاخ سے بکھر جائیں چہرے سب گلابوں کے
راستے پکڑ لیں جب راستے عذابوں کے
بے امید خوابوں کی حد کمال ہو جائے
پھر وصال کیسے ہو
وحشتوں کی نگری میں ناچتے ہیولے سے
زندگی کے صحرا میں بے صدا بگولے سے
روپ دلکشی کا جب بے جمال ہو جائے
پھر وصال کیسے ہو

راہ کی پہیلی

زندگی بھی مشکل تھی
موت کا طریقہ بھی سوجھتا نہ تھا کوئی
راستہ بھی لمبا تھا
راہ کی پہیلی بھی بوجھتا نہ تھا کوئی
حُسن کے تعاقب میں
عشق کی تمازت تھی
آس کا سویرا تھا
عشق کے تعاقب میں
ہجرتِ مسلسل تھی، ہجر کا اندھیرا تھا

اور مُجھ سے ملنے پر

کیا اُس کا دل نہیں کرتا
رات کے بکھرنے پر
چاند کے نکلنے پر
پہلا پھول کھلنے پر
اور مجھ سے ملنے پر

چاندنی کی باہوں میں
جھیل کے کنارے پر
محوِ رقص ہو جائے
اور ایک نقطے میں
کائنات کھو جائے

چاہتیں گنگناتا نہیں

مجھے یاد ہے
وہ ملن رات
وہ وصل کی رات
وہ جب رات بھر بڑبڑاتا رہا تھا
مجھے بند آنکھوں میں سپنا بنائے
مجھے اپنی بانہوں میں گڑیا بنائے
مجھے رات بھر گنگناتا رہا تھا
وہ سوتے میں بھی بڑبڑاتا رہا تھا

میری روح، میرا بدن
میرا دل، میری دھڑکن
میری جان تم ہو، میری جان تم ہو
وہ اب بھی مجھے بند آنکھوں میں سپنا بنائے
وہ اب بھی مجھے اپنی بانہوں میں گڑیا بنائے
مجھے گنگناتا ہے لیکن
وہ سوتے میں اب بڑبڑاتا نہیں ہے
مری چاہتیں گنگناتا نہیں ہے!

⊙

اپنے نام لگا کر وہاں نہ ٹکتا تھا
دل پر قابض ہونے والا اچھا تھا

اب گھنٹوں تک اُس سے باتیں ہوتی ہیں
پہلی بات سے پہلے گھنٹوں سوچا تھا

بات ادھوری پیچھے پیچھے پھرتی ہے
کہے سُنے بن گھر سے باہر نکلا تھا

بادِ حوادث یکساں اثر پذیر ہوئی
ساری محفل کو ہی چپ چاپ دیکھا تھا

جنگل جنگل مور نے پنکھ سمیٹے ہیں
ڈال سے گرا ثمر، تو وہ بھی پھیکا تھا

⦿

تو کس وہم میں کھوئی ہے
دوست کہاں ہر کوئی ہے

جانتی ہوں یہ ہمدردی بھی
جز وقتی دلجوئی ہے

ننھی منی اِک گڑیا ہے
گڑیا لے کر سوئی ہے

کارِ جہاں میں کاٹ لیا دن
رات مگر کیوں روئی ہے

اشک اُگیں گے اب پلکوں پر
فصلِ غم خود بوئی ہے

◉

اِک اور دکھ مری جھولی میں بھر دیا تُو نے
بھرے زمانے میں تنہا سا کر دیا تُو نے

میں بے اماں تھی تو اک آسماں تھا ساتھ مرے
در و سقف سے تہی ، کیسا گھر دیا تُو نے

وہ آئے گا تو اُسے لوٹ کر بھی جانا ہے
پسِ نشاطِ ملاقات ڈر دیا تُو نے

یہ شہرِ مرگ تھا اے دوست، جاں بلب تھا جہاں
کسے بچانے کی خاطر یہ سَر دیا تُو نے

لکیر ہاتھ پہ گہری سی جھیل لگتی ہے
کنول خیال کی موجوں پہ دَھر دیا تُو نے

⊙

کچھ اور نہ تھا میرے لئے وقت کڑا تھا
مجھ کو ترے وعدے کا یقین کرنا پڑا تھا

اِک کام تھا اُس شخص سے اِک روز مجھے پھر!
ایسا لگا وہ جیسے خدا سے بھی بڑا تھا

ہرگز تیری کوشش بھی مصمّم نہ رہی تھی
مانا کہ سمندر میں بھی طوفان بڑا تھا

تھا قتل کا شک جن پہ سبھی دوست تھے میرے
وہ بعد مرے قتل کے غیروں میں کھڑا تھا

اب تک میری ہر پور سے ہیں پھول بکھرتے
آنچل کبھی خوشبو کی اُڑانوں میں اڑا تھا

⊙

چاند کی پہیلی میں بوجھنے کو نکلی تھی
ہجر کی مسافت تھی گھومنے کو نکلی تھی

قرض خواہ ہوا بھی تھی، کر گئی ادا پہلے
ورنہ تیری آنکھیں میں چُومنے کو نکلی تھی

اتنے سارے چہروں میں ایک چہرہ میرا تھا
آئینوں کی بستی تھی ڈھونڈنے کو نکلی تھی

ان کہی کہانی کو لکھ کے لوٹ آئی ہُوں
بے نوا صداؤں میں ڈوبنے کو نکلی تھی

یاد کے دریچے میں پاؤں جب بھی رکھا تھا
پھر نہ جانے کیا کیا کچھ بھولنے کو نکلی تھی

⊙

گھڑی بھر کے لئے زنجیرِ پا کو ڈھیلا کر دینا
سفر کی دھوپ میں میرا دوپٹہ گیلا کر دینا

جو گھر کو لوٹنے میں دیر ہو جائے کبھی تم کو
تو بارش تیز ہونے کا بہانہ حیلہ کر دینا

چھپانا لینا اگر مقصود تھا غم کو سرِ محفل
تو اپنا پیرہن کچھ اور بھی بھڑکیلا کر دینا

مِرا اِک شوق ہے میں آسماں کی وسعتیں دیکھوں
مرے گھر کے سبھی دیوار و در کو نیلا کر دینا

حصارِ شوق میں موجیں چٹانوں پر تڑپتی ہیں
سرِ ساحل سرابِ چشم کو چمکیلا کر دینا

پلک پہ کب چھپا سکتا ہے کوئی داستاں دل کی
عیاں کرنا ہو دکھ تو چلمنوں کو سیلا کر دینا

ہنوز اس معجزے کی کیفیت پہ چشم حیراں ہے
کسی سنجیدہ لڑکی کو تِرا شرمیلا کر دینا

اثر انداز رخشندہ کی رنگت پر بھی ہو شاید
میرے مالک تو اس موسم کو کچھ رنگیلا کر دینا

◉

فصیلِ لَمس سے اونچی، کمال کی خواہش
ہماری روح کو اس سے وصال کی خواہش

ہر ایک روز نیا آئینہ تلاش کروں
کبھی تمام سفر ہو جمال کی خواہش

کمالِ رقص تو یہ ہے کہ پاؤں دھرتے ہی
زمین کرنے لگے خود دھمال کی خواہش

نظر نظر وہی جھالر پلک پلک آنسو
حجاب پیشِ نگہ ہے کہ ڈھال کی خواہش

ہم اس کی سمت محبت سے دیکھنا چاہیں
نہ گفتگو کی، نہ خواب و خیال کی خواہش

⊙

چاند کی پہیلی میں بوجھنے کو نکلی تھی
ہجر کی مسافت تھی گھومنے کو نکلی تھی

قرض خواہ ہوا بھی تھی، کر گئی ادا پہلے
ورنہ تیری آنکھیں میں چُومنے کو نکلی تھی

اتنے سارے چہروں میں ایک چہرہ میرا تھا
آئینوں کی بستی تھی ڈھونڈنے کو نکلی تھی

ان کہی کہانی کو لکھ کے لوٹ آئی ہُوں
بے نوا صداؤں میں ڈوبنے کو نکلی تھی

یاد کے دریچے میں پاؤں جب بھی رکھا تھا
پھر نہ جانے کیا کیا کچھ بھولنے کو نکلی تھی

⦿

رات باقی ہے ابھی سوؤں کہ جاگوں، کیا کروں
خواب سے لمحوں کو اب کیسے گزاروں، کیا کروں

اَن گنت داغوں کے رُخ، اک روزنِ دیوار ہے
اتنی کم کم چاندنی میں کتنا اُجلوں، کیا کروں

پیاس کی شدت میں قائم ہے ابھی میری انا
کیا کروں اک بوند پانی کس سے مانگوں، کیا کروں

دکھ اگر اظہار پائیں گے، بکھرتے جائیں گے
اِک غزل میں کس طرح ان کو سمیٹوں، کیا کروں

اُس کی صورت دیکھنے کی آرزو کرتی رہوں
سامنے آ جائے تو پھر خود سے بھاگوں کیا کروں

دل کی خوش فہمی نہیں جاتی، ستم یہ ہے مگر
کیا کسی کو پھر کبھی ویسے ہی چاہوں، کیا کروں

تجھ سے جب بھی ملنا ہو

چاندنی کا ہر قطرہ
روپ میں اتاروں گی
تجھ سے جب بھی ملنا ہو
بار بار دیکھوں گی آئینے میں رُخ اپنا
گرہ گرہ بالوں کی
گوندھ کر سنواروں گی
تجھ سے جب بھی ملنا ہو
سُرخ رنگ گلابوں کی
خوشبو زیب تن ہو گی

موتیے کی کلیوں کو

اپنے سر پر وارُوں گی

تجھ سے جب بھی ملنا ہو

نرم راگ موسم کے

بادلوں کے سازوں میں

دل کے میٹھے جذبوں کو

تیرے آگے ہاروں گی

تجھ سے جب بھی ملنا ہو!

آزاد تو کر جا

وہ چال اپنی چل گیا
مجھ کو مرے ہی جال میں بُن کر
مرے حلقوم اعضاء ریشمی دھاگے کی لذت میں تڑپنے کی کسی
جرأت جسارت کی حدِ امکاں کو ڈھونڈیں گے
پسِ دیوار آئینے میں اک چہرہ نما شعلہ مجھے زندان خانے کی چمکتی
روشنی کی باز دے تحویل میں باندھے ہے مُدّت سے
سرابِ راہ کے پابند جلوے پاؤں زخمی کرنے کے مجرم نہ ٹھہریں گے
سرِ راہِ وفا یہ سورجی کرنیں میری آنکھوں کو شیشے کے گھروں میں
اندھا کر ڈالیں

مجھے اس حُسن کی بندش سے آ...... آزاد تو کر جا

وقت کی کوکھ سے

تم سے باتیں کروں
وقت بے وقت لمحوں کی بندش سے ہو کر جُدا
اُلٹی سیدھی سی بے ربط باتوں کا اِک سلسلہ
کوئی چھوٹی سی پھولوں کی ایسی لڑی
جس میں کلیاں حسیں، کچھ ترے نام کی کچھ مِرے نام کی
رات بھر جو پروتے ہوئے نہ تھکوں، بولتی ہی رہوں
تیرے من کی سُنوں، اپنے من کی کہوں
تھوڑی تیرے لئے تھوڑی اپنے لئے
وقت کی کوکھ سے ایسی گھڑیاں چنوں،
جن میں تیری نوا اور نہ میری صدا
اس کڑی دُھوپ کی شدّتوں میں فقط
زندگی سے بھری بارشوں کی گھٹا
اُلٹی سیدھی سی بے ربط باتوں کا اِک سلسلہ!

سولہ سال کی اک لڑکی

پلک جھپکتے بدل گئے تھے
سب معیار وجاہت کے
گھر سے باہر چلے گئے
چپکے سے منظر راحت کے
کیسے وقت بدل کے رکھ دیتا ہے
پھول سا رنگ محبت کا
میں نے پلک سے باندھ کے رکھا ہے

اک لمحہ اُس کی نفرت کا
وہ جو اک بے نام تمنا تری
اور جلوے حسن کی چاہت کے
کیسے تو نے اک پل میں آخر
قربان کیے اے جان مری
اک سولہ سال کی لڑکی پر
یہ سولہ سال رفاقت کے
پلک جھپکتے بدل گئے تھے
سب معیار وجاہت کے

مگر تیرے سوا

میرے خوابوں کے دریچوں میں ایک ہلچل سی
ہر گھڑی ایسے قیامت سی بپا کرتی ہے
جیسے طوفان میں کشتی کو کنارہ نہ ملے
جس طرح شمع ہر اک رات جلا کرتی ہے

جانے کس سوچ میں ہر رات بھٹکتی آہیں
ہر گھڑی درد کے افسانے سناتی ہیں مجھے
میں جو دم بھر کو نگاہوں کو کہیں موند بھی لوں
ٹھنڈی ٹھنڈی سی ہواؤں سے جگاتی ہیں مجھے

رات آتی بھی ہے آتی بھی نہیں میرے لئے
نہ کوئی نیند کا جھونکا نہ وہ ٹھنڈی سی ہوا
ایک بیتابی سی شب ہوتے چلی آتی ہے
چاند ہوتا ہے ستارے بھی چمکتے ہیں مگر تیرے سوا

خواب

یہ خواب راتوں میں چاند کے ہمسفر رہے ہیں
یہ خواب رنگین تتلیوں کی سپہر رہے ہیں
یہ خواب میں نے اداس دن میں رقم کیۓ تھے
یہ شہر والے کہاں پڑھیں گے!
یہ قصے میں نے سیاہ راتوں کی ظلمتوں میں رقم کیۓ تھے
یہ خواب پچھلی کہانیوں کے الاؤ کی راکھ کا شرر ہیں
گراں نویسوں نے اس فسانے کو خیر آباد کہہ رکھا تھا
یہ قصے میں نے سیاہ راتوں کی سبکیوں اور سسکیوں میں
رقم کیۓ تھے

یہ تتلیوں کے پروں، گلابوں کی پتیوں، پھوٹتے لہو
پھٹتے آبلوں کی کہانیاں ہیں
یہ شہر والے کہاں پڑھیں گے
گراں نویسوں، گراں فروشوں کی خلوتوں میں
یہ قصے انجام تک پڑھے جائیں گے مگر
حشر تک سرہانے پڑے رہیں گے
گراں فروشوں، گراں نویسوں کے لب یہ قصّے نہ کہہ سکیں گے
وہ اس کی حدّت نہ سہہ سکیں گے

لامکاں عالم

کسی شدت کے جذبے میں عجب سا حال ہوتا ہے
رگ جاں کتنے انجانے عذابوں سے گزرتی ہے
کسک کے سیلِ طوفاں میں ہمیشہ ڈوبتا ہے دِل
گھنیرے درد کی اک لہر سانسوں میں اترتی ہے

بہت ہی تیز جلتی آندھیوں کی گرم مٹی پر
کبھی اونچے سرُوں پر گیت کے عالم میں محوِ رقص ہونے سے
کبھی چٹان جیسے راستوں کی سخت پٹی پر
برستے سنگ سے اولوں کی اس بارش میں کھونے سے

ترے پہلو میں تکیے پر کبھی سر کو پٹخ دینا
بہت کھل کر کبھی رونا اکیلے خالی کمروں میں
کبھی چپ لمبے وقفوں کی کسی محفل کے دوراں بھی
کبھی ہنسنا، لگانا قہقہے تنہا ہی پنجروں میں

کسی جنگل میں سرپٹ دوڑنا اندھیری راتوں میں
صدائیں چیخ کر ساحل پہ دیتے رہنا لوگوں کو
کسی خالی سڑک پہ تیز چلنا دوپہر کے وقت
کبھی مصروف گھنٹوں تک کہیں بے رنگ باتوں میں

کسی شدت کے جذبے میں عجب سا حال ہوتا ہے
رگِ جاں کتنے انجانے عذابوں سے گزرتی ہے
کسک کے سیلِ طوفاں میں ہمیشہ ڈوبتا ہے دِل
گھنیرے درد کی اک لہر سانسوں میں اترتی ہے

آمد

شب کی باہوں میں نیند آ جائے
دن میں کارِ جہاں دراز رہے
اپنی حیرت کے در پہ سر رکھے
سوچتی ہوں کہ جانے کس لمحے
وقت کی ٹہنیوں کے ہونٹوں تک
پھول کچھ جا کے توڑ لیتی ہوں
گلشن فکر سے دبے پاؤں
اٹھ کے چنتی ہوں برگِ گل یہ گلاب
تن سے خوشبو کو جوڑ لیتی ہوں

⊙

آنکھ میں خواہش بھی کم تھی، اس کا لہجہ سرد بھی
درد کا امکان بھی بڑھتا گیا اور درد بھی

اپنے اپنے روزنِ زنداں کی تنہائی میں ہیں
عورتیں، سب بچے بوڑھے اور سارے مرد بھی

صرف موسم کی عطا ہے مان لوں کیسے کہ اب
موڈ پر میرے اثر انداز تھا اِک فرد بھی

اُس کی گاڑی تیز تھی پہچاننا آساں نہ تھا
زور کی بارش بھی تھی اور بھیگی بھیگی گرد بھی

تنگیٔ شہرِ وفا میں زندگی گُم صم ہوئی
دل بجھا رہنے لگا اور چہرہ چہرہ زرد بھی

◉

اُسے بھی دیکھتی ہُوں ایسے جیسے اِک نظارہ ہو
مرے حسنِ نظر کی تازگی کا استعارہ ہو

ہمیشہ انفرادی سوچ کو لے کر ہی جیتی ہوں
انوکھے ضبط کی نسبت سے شاید دل بھی ہارا ہو

ترانے کیا لکھوں چھوٹی سی خواہش یاد رہتی ہے
میرے پرچم کے چہرے پر ہمیشہ چاند تارا ہو

ہزاروں خواب لاحاصل ابھی سونے نہیں دیتے
یہ خواہش سر اٹھاتی ہے جنم اپنا دوبارا ہو

عروسی سیج کی گڑیا کو کیا معلوم، پھر کیا ہو
ابھی تو سوچتی ہے، سُرخ لہنگا ہو، غرارہ ہو

⦿

تمہارے ہاتھ میں رسّی بہت تھی
مگر دکھ کی ندی گہری بہت تھی

وہ ڈر کے بارہا ہٹتا تھا پیچھے
مدد ڈوبے سمے مانگی بہت تھی

بنا کے گھر پھر ان کو توڑ ڈالا
کنارے جھیل کے مٹی بہت تھی

بچھڑنے سے ترے سب کچھ وہیں تھا
رگِ جاں ہر گھڑی دُکھتی بہت تھی

پسِ دیوار بھی رستہ تھا مشکل
مگر دیوار کچھ اونچی بہت تھی

اسے حالات نے قابو کیا تھا
وہ اِن حالات میں راضی بہت تھی

میں جب بازار سے لوٹی تو سوچا
وہاں ہر چیز ہی مہنگی بہت تھی

◉

میں ریزہ ریزہ ہو جاؤں تو پھر تعمیر ہوتی ہوں
میں پہلے خواب بُنتی ہوں تو پھر تعبیر ہوتی ہوں

مرا عکاس کیسی کیسی تصویریں دکھاتا ہے
ہر اِک تصویر میں حیرت زدہ تصویر ہوتی ہوں

محبت میری لہروں سے سنبھالی ہی نہیں جاتی
تِرا خالی سمندر دیکھ کر دل گیر ہوتی ہوں

سُدھا لینا مجھے اس عمر میں اک کارِ مشکل ہے
نہیں میں زر خریدان کی نہ میں جاگیر ہوتی ہوں

اٹھاؤں کون سی دیوار پر رشتوں کی دیواریں
نہیں تُو کوہکن اور نہ میں جوئے شیر ہوتی ہوں

نگاہوں کی چلمن میں کچھ خواب تو تھے
کبھی دشت میرے بھی سیراب تو تھے

نہیں عام، بہہ کر بھی آنسو ہمارے
مگر جب تھے پوشیدہ نایاب تو تھے

کسی اور کے غم میں تھے مبتلا وہ
ہمیں فکر لاحق وہ بے تاب تو تھے

نہیں کہ اندھیرے بھی لازم ہی کم ہوں
نگر میں چراغاں کے اسباب تو تھے

اگر تو نہیں تھا تو تجھ سے مشابہ
فلک پر کہیں مہر و مہتاب تو تھے

⊙

آنسوؤں کے قطرے قطرے میں بکھر کر دیکھنا
درد کی موجوں کے ساحل پہ اُتر کر دیکھنا

دیکھنا آنکھوں کی وحشت رات کے پچھلے پہر
ہجر کی صدیوں کے صحرا سے گزر کر دیکھنا

شام کا تنہا اکیلے چاند تاروں سے وصال
اور ہماری آنکھ کا شب بھر ٹھہر کر دیکھنا

فرق ہے، اک دیکھنے میں، تم تھے ساحل پر کھڑے
اور ہمارا ڈوبتے لمحے اُبھر کر دیکھنا

تو بھی سرہانے کھڑا دیکھے گا چپ گھنٹوں ہمیں
سو ہمارا شوق ہے اِک بار مَر کر دیکھنا

مجھے پوری طرح مانگے تو سوچوں
وہ اِس انداز میں سوچے ، تو سوچوں

ذرا نرمی سے پوچھے حال میرا
نظر بھر کر مجھے دیکھے ، تو سوچوں

وہ مانے گا تو کس دلکش ادا سے
کسی دن مجھ سے وہ روٹھے تو سوچوں

طبیعت اس کی سیلانی رہی ہے
ہواؤں کی طرح گزرے تو سوچوں

نکلنا گھر سے بھی اب بند ہوگا
سڑک پر ہر کوئی دیکھے، تو سوچوں

⊙

کھلے ہوئے موسموں پہ اب بھی بہار کم ہے
مری محبت کی شدّتوں پر نکھار کم ہے

مرے کناروں کو وسعتوں کی طلب رہی ہے
میں کیسے ڈوبوں کہ تیری آنکھوں میں پیار کم ہے

گیا ہی کب تھا، کھڑا تھا سوچوں میں گم ابھی تک
وہ لوٹ آتا لبوں پہ میرے پکار کم ہے

مہیب ماضی کے ذکر سے بوجھ بڑھ گیا ہے
کسی زمانے کو سوچوں، اُس میں خمار کم ہے

پرانی تصویر اب بھی البم سے جھانکتی ہے
وہ مجھ کو گھیرے کھڑا ہے لیکن حصار کم ہے

مسافر کا قدم

ہوا کے اِک اشارے پر
مسافر نے قدم رکھا
مرے گھر کے کنارے پر
سحر اتری ستارے پر
ہوا کے اک اشارے پر
زمیں کے خشک چہرے کو
سمندر چُومنے آیا
مسافر نے قدم رکھا

مرے گھر کے کنارے پر
ہوا کے اک اشارے پر
اتر کر چاند کھڑکی سے
صحن میں گھومنے آیا
مسافر کی مسافت تک
مرے آنگن
گھنیری چپ میں سایہ جھومنے آیا
زمیں کے خشک چہرے کو
سمندر چومنے آیا

میرا رنگ کہیں کھو جاتا ہے

میری الماری میں میک اپ ''اسے یے'' تک اِمپورٹڈ ہے
اِلزبتھ آرڈن کی لپ اسٹک
سِلکی اینز کا ہیئر سپرے، بلش بے بی کا بلش آن اور اے وون کا مسکارا
رنگ کا ساون چہرے پر پھولوں کی خوشبو بھرتا ہے
میرا روپ کھلے تو آئینہ میرے روپ کو دیکھ کے ڈرتا ہے
لیکن وہ وقت بھی آتا ہے
جب چہرے پر پژمردہ خزاں کی زردی سی چھا جاتی ہے
جیسے چاند کے گرد سیاہی ہالہ پھیلتا ہے
جیسے پچھلے پہر ان سڑکوں پر خاموشی دل تڑپاتی ہے
وہ سماں کہ جب مرے روپ پہ سرسوں اگنے لگے

المار ی میں ترتیب سے رکھے میک اپ کو
جز وقتی بھول سا جاتا ہے
کیسے سرسوں جیسی رنگت کو
فاؤنڈیشن، کمپکٹ پاؤڈر سے چمکانا ہے
آنکھوں کے گرد سیاہی مائل رنگوں کو
مسکارے پنسل، آئی لائنر
کی تہہ میں کہاں چھپانا تھا
اس دل کی فصل بہاراں کو جب نظر لگے
سنگھار الٹ ہو جاتا ہے
میرا رنگ کہیں کھو جاتا ہے

سچّا سچّا پیار

کیا تم مجھ سے پیار کرو گے، اندھا اور ان دیکھا پیار
جنم جنم کا سنگی ساتھی، سایہ پیار
ہاتھ کی ریکھاؤں میں رچتا بستا پیار
ریت روایت، شرطوں سے بے بہرہ پیار
لمحہ لمحہ، پل پل سانس میں بہتا پیار
کیا تم مجھ سے پیار کرو گے، اندھا اور ان دیکھا پیار
نیند سے بوجھل پلکیں، سندر سپنا پیار
ہلکے پھلکے، خواب سا دھیما دھیما پیار
چاند کی تاریخوں کا چڑھتا بڑھتا پیار
پیاسی روح کا صحرا اور برستا پیار
کیا تم مجھ سے پیار کرو گے، اندھا اور ان دیکھا پیار
مٹی کی خوشبو میں بھیگا سوندھا پیار
پتّی پتّی رنگ نہاتا، مہکا پیار

تیز ہوا کا جھونکا دستک دیتا پیار
بارش کے رنگوں سے بھی اُجلا نکھرا پیار
کیا تم مجھ سے پیار کرو گے، اندھا اوران دیکھا پیار
ہیرے، سونے چاندی سے بھی مہنگا پیار
سات ستاروں سے اونچا چمکیلا پیار
دھوپ بھرے دن سے بھی تیز سنہرا پیار
گہرے ساگر کے بھیدوں سے گہرا پیار
کیا تم مجھ سے پیار کرو گے، اندھا اوران دیکھا پیار
بستی بستی ، قریہ قریہ کھوجا پیار
بھولے بسرے بچپن کا اِک کھویا پیار
کچی عُمر کے بھولپنے کا پہلا پیار
سنجیدہ لمحوں کا سوچا سمجھا پیار
کیا تم مجھ سے پیار کرو گے، اندھا اوران دیکھا پیار
سچا سچا سچا پیار

چاہ کی روانی ہے

رُوپ کے اجالوں کی ساحری میں کھو جاؤ
بھُول جاؤ سب قصّے !
زندگی کے ساون کو
ٹُوٹ کر برسنے دو
حسن کی حقیقت کے
پھول میرے دامن کی
راحتوں میں بو جاؤ
بھُول جاؤ سب قصّے

اور سب اندھیرا ہے
سارا کچھ ہی پانی ہے
الفتوں کی کشتی ہے
چاہ کی روانی ہے
تشنگی جزیرہ ہے
موج میں ڈوب جاؤ
بھول جاؤ سب قصّے

شیش محل

خوابوں کے شہزادے کا
اُڑنے والا گھوڑا تھا
اُڑتے اُڑتے رُخ اُس نے
میری جانب موڑا تھا
اسمِ اعظم پڑھ پڑھ کر
قفل لبوں کا توڑا تھا
پھولوں کی شہزادی کو
کانٹوں میں لا چھوڑا تھا

پہلا پتھر

چلوں دو گام

رک جاؤں

رہوں خاموش اور خائف

مبادا دوست میرے اگلے رستوں پر کہیں ٹھہرے ہوئے ہوں

مقام ایسا جہاں احباب کے قدموں کی آہٹ

ان سے وابستہ حسیں ناطے

ہوا کے لمس میں گوندھے ہوئے کچھ گہرے رشتے ہوں

چلوں دو گام

رک جاؤں

رہوں خاموش اور خائف

کسی بھی کرب میں جب میرے دل کے زخم رستے ہوں

رہوں خاموش اور خائف

مرے معصوم ناکردہ گناہوں پر مجھے سولی چڑھا دیں

نام کی دھجیاں اڑا دیں

کہے اور ان کہے قصے ہواؤں میں بکھیریں

سِلے اور ان سِلے جو چاک دامن میں چھپائے پھر رہی ہوں

وہ سب بخیے اُدھیڑیں

مگر

مارے مجھے وہ پہلا پتھر

جو گنہ کے ذائقے سے آشنا نہ ہو

وہ ڈھونڈیں عیب مجھ میں ہر گھڑی ہر پل

جو اپنی ذات میں خود بھی فرشتے ہوں

کسی بھی کرب کی حالت میں دل کے زخم رستے ہوں

چلوں دو گام

رک جاؤں

رہوں خاموش اور خائف

ان کہی

قاتل، چوروں اور لٹیروں کے ہم راز اندھیروں سے
ڈر جاتی ہوں
جنوں، پریوں اور چڑیلوں کی
اپنی اک ہیبت ہے
بزدل، حاسد، جھوٹوں اور مکّاروں سے جاں جاتی ہے
تن ڈال، ہوا کی لہروں سے چھپ چھپ کر سامنے آتی ہے
اک انجانا سا خوف بھی ہے
جو پل پل بے کل رکھتا ہے
اس انجانے سے خوف کا نام ابھی تک ذہن میں آیا نہیں
یہ کیسا ڈر ہے
چین ابھی تک کیوں اس دل نے پایا نہیں

بہروپ

میں نرم ہوا،

مجھ سے بہاروں میں ملا کر

کب تجھ سے کہوں، تپتی ہوئی دھوپ میں تُو آ

تُو کہکشاں تاروں کی مت رکھ میری رہ میں

تارے مری خاطر نہ کبھی توڑ فلک سے

جو اَصل ترا روپ ہے،

اس روپ میں تُو آ

اک جُرعہ سم اپنے ہی ہاتھوں سے پلا کر

تُو آ مجھے زنجیرِ محبت سے رِہا کر

جس گہرے سمندر

کی طرف دیکھ رہی ہوں

تو میرا کنول ہے اِسی پانی میں کھلا کر،

میں نرم ہوا مجھ سے بہاروں میں مِلا کر

محبوبہ

دروازے کی گھنٹی بجنے پر
بھاری بھرکم عورت باہر آئی تھی
آنکھوں میں جالے،
لب پرتالے
کسی طرح کی کوئی بھی خوشبو اس کے تن سے نہ اٹھتی تھی
پاؤں میں پائل، آنکھ میں کاجل کچھ بھی نہیں تھا
بکھرے بالوں میں کملایا سا چہرہ تھا

اس دہلیز پر برسوں پہلے والی اُس لڑکی کو
آج میں ڈھونڈ رہا تھا
جو کبھی میری محبوبہ تھی
اس کو دیکھ کے سوچ رہا تھا
مری جیون ساتھی بننے پر بھی
کیا وہ ایسی ہو سکتی تھی؟
رنگ و روپ کو کھو سکتی تھی؟

⊙

صبح کی پہلی کرن پر ہڑبڑا کے رہ گئی
چاند پہلو سے اُٹھا تو تلملا کے رہ گئی

وہ بڑا تھا عمر میں کچھ شخصیت کا رعب تھا
اُس کے آگے چپ رہی کچھ بڑبڑا کے رہ گئی

اِک ہجومِ بے کساں حاکم کے چاروں سمت تھا
اس خدا کی شان پر میں سٹپٹا کے رہ گئی

سُر کی لے پر ناچنا پاؤں میں پائل باندھ کر
لمس کے سنگیت پھوٹے جھنجھنا کے رہ گئی

مجھ کو جب دیدہ دلیری سے ہوا نے چھو لیا
کھل گئے زلفوں کے خم تو کھلکھلا کے رہ گئی

⊙

باندھ لی، میں نے بھی، ضد سرکار سے
کام کی نسبت بنے دربار سے

تیوری ماتھے سے جب چھٹنے لگی
نرم پڑنے کے ملے آثار سے

ایک آتا اور چند آئے کار
باقی ماندہ، جا بجا، لاچار سے

تشنگی کچھ اور جیسے بڑھ گئی
سارے میرے مشغلے بیکار سے

روگ تو ایسا بظاہر کچھ نہ تھا
لوگ کیوں رہنے لگے بیمار سے

⊙

سِتم گروں سے عداوتیں کیا
انہی سے ان کی شکایتیں کیا

سفر کی دیکھیں تمازتیں کیا
نِکل پڑے تو نزاکتیں کیا

دِلوں میں پچھلی کدُورتیں ہیں
لبوں پہ اُن کے حلاوتیں کیا

غمِ جہاں کو سمیٹ کے رکھ!
سُخن میں ہوں گی ریاضتیں کیا

جب عقل پر پردہ پڑ گیا ہے
بصیرتیں کیا ، سماعتیں کیا

رموز جیون کے کھل نہ پائے
یہ روز و شب ہیں بجھارتیں کیا؟

شہر کی چوکھٹ سے ہر پل سر کو ٹکراتی رہی
حیرتیں جھولی میں اپنی بھر کے لوٹ آتی رہی

سیپ چُننے کی تمنا سے بھی آگے دور تک
ساحلوں کی ریت تک آتی رہی، جاتی رہی

سب پکھیرو اپنے اپنے صحن میں بیٹھے رہے
خواہشِ باراں سروں پر آگ برساتی رہی

لوگ چہروں پر نقاب اپنے پہن کر آ گئے
اور میں مردم شناسی میں خطا کھاتی رہی

میرا شہزادہ لگا کر ایڑ گھوڑا لے گیا
اور میں مہندی سے گل بوٹے ہی بنواتی رہی

⊙

آئینے کو درد صورت اپنے پیکر کی ملی
سوچ کا گہرا سمندر کھوج گوہر کی ملی

حلقۂ آغوشِ تنہائی کے گہرے عکس میں
جتنا بکھری ذات کو وسعت سمندر کی ملی

سر سے پاؤں تک لباسِ گل کی زیبائش رہی
جب بھی آنکھوں کو خبر اس سبز منظر کی ملی

ٹوٹ پھوٹ اپنی فراق و وصل میں جاری رہی
کانچ کے ٹکڑوں کو اک دیوار پتھر کی ملی

آسماں نے چاہا جب بھی قہر کی بارش کرے
اوٹ میں قوسِ قزح، ست رنگ چادر کی ملی

چونک کر دیکھا تو دروازے پہ کوئی بھی نہ تھا
اور ہوا چلنے سے جیسے آہٹ اک ڈر کی ملی

⊙

یہ کیسی روشنی ہے کہ سایہ نہیں رہا
جائے اماں پہ کوئی بھی خیمہ نہیں رہا

میری قناعتوں کے ہوئے معترف سبھی
جب جائیداد بانٹی تو حصہ نہیں رہا

اِک ہارا ایک جیتا اُلٹ کے بساط کو
چرچے رہے ہمیشہ کرشمہ نہیں رہا

میں لال پیلی آگ بگولہ سی تھی مگر
جب سامنے تُو آیا تو غصہ نہیں رہا

کردار بھی حقیقتیں جھوٹی بیاں کریں
جو عکسِ ذات ڈھونڈے وہ شیشہ نہیں رہا

میں کوئی بھی ثبوت فراہم نہ کر سکی
لکھا تھا جس پہ وعدہ وہ صفحہ نہیں رہا

⊙

کسی کو کھوجتے رہنا، کسی کو ڈھونڈتے رہنا
خیالوں کی کسی ٹہنی پہ رک کر جھولتے رہنا

مثالِ آئینہ کچھ یاد اس کو کم ہی رہتا ہے
اسے عادت ہے وعدہ کرنا اور پھر بھولتے رہنا

کہیں آنکھوں کی لہروں پر کسی جذبے کی سنگت میں
بھنور صورت سمندر میں کنارے ڈھونڈتے رہنا

کسی انجانی راحت کو لئے ہمراہ شاموں میں
کہیں تنہا ہی سڑکوں پر اکیلے گھومتے رہنا

اب ایسے موڑ پر ہم خامشی سے دیکھتے جائیں
ترے ساحل پہ ناؤ کا بھٹک کر ڈوبتے رہنا

برہنہ لاشہ

اس نہر کے گدلے پانی سے کیا پوچھتے ہو
کہ کون تھی وہ؟
اور نام تھا کیا؟
اس چھوٹی سی منہ بند کلی کے نیم
برہنہ لاشے پر کیا لکھا تھا؟
کس آنکھوں والے اندھے نے
کس بے دردی سے نوچا، مَسلا، پھینکا تھا
اس نہر کے گدلے پانی سے کیا پوچھتے ہو
اسے اس دنیا میں قدم دھرے
دس برس بھی پورے ہوئے نہ تھے

معصوم نظر کے سپنوں میں
ابھی چند کھلونے شامل تھے
اس موت کی سخت اذیت سے پہلے اس نے
کیا چاہا تھا؟
اس نے بس جینا چاہا تھا!
اس نہر کے گدلے پانی سے کیا پوچھتے ہو؟
کہ کون ہے وہ؟
کس بستی کا باشندہ ہے؟
وہ کس جنگل کا آدم خور درندہ ہے؟
وہ ابھی تلک کیوں زندہ ہے؟
اخبار کی سرخی دیکھ کے سب ہنس دیتے ہیں
اُن ہونٹوں کی گدلی سرخی کیا کہتی ہے؟
اس نہر کے گدلے پانی سے کیا پوچھتے ہو؟

سرخ گلاب بھلے لگتے تھے

اُس کے گھر میں کوئی روشن دان نہیں تھا
سورج قطرہ قطرہ بہہ کر اندر آتا
چار رتوں میں موسم ایک ہی رہتا
کوئی پھول نہیں کھلتا تھا
اندھے خوابوں کی چوکھٹ پر
''سرخ گلاب بھلے لگتے تھے'' اس لڑکی کو
جس کے گھر میں موسم کبھی نہیں بدلا تھا
خوابوں کی زنجیر گلے میں باندھے
اپنے زنداں کی اونچی دیوار سے کُود گئی تھی
سورج دروازے سے اس کو دیکھ رہا تھا
اُس کے گھر میں کوئی روشندان نہیں تھا
سُرخ گلاب بھلے لگتے تھے
اس لڑکی کو!

نوحے کم تھے

امانتاً دفن کر دیا تھا
کہ نوحے کم تھے
ابھی علم رنگ آنچلوں کی کمی تھی ماتم کناں سروں پر
امانتاً دفن کر دیا تھا
کہ آنسوؤں کی رواں دواں نہر بند توڑے
طویل صف میں جلوسِ احبابِ دوستاں سے لپٹ
کے پلّو کوئی نچوڑے!

وہ گہرا دکھ

جس کی یاد کا اک مزار تعمیر ہو گا دل پر'

امانتاً دفن کر دیا تھا

کسی گھڑی اہتمامِ محفل میں اپنا یہ دُکھ نئے سرے سے کسی

نئی ماتمی فضا میں' اسے دوبارہ دفن کروں گی پھر دوبارہ سے دفن ہوگا

ابھی تلک غم کی روح بے چین پھر رہی ہے

پھر اس کی تکفین خود کروں گی

امانتاً دفن کر دیا تھا

کہ نوحے کم تھے!

انجم ہاتھ نہ آئے

رہے شب بھر میرے ہمراہ
انجم ہاتھ نہ آئے
سفر میں ساتھ ہو لیکن
وہ گھر تک ساتھ نہ آئے
جلے ہر قمقمہ ہر شب
محبت میں چراغاں ہو
فلک اُجلا ہو تاباں ہو
مناظر فرشِ راہ اُتریں
مقدر شام کے نکھریں

مگر جس کی سحر اپنی ہو

ایسی رات نہ آئے

رہے شب بھر میرے ہمراہ

انجم ہاتھ نہ آئے

سفر میں ساتھ ہو لیکن

وہ گھر تک ساتھ نہ آئے

میلی لڑکی

کوئی بات نئی کرنا صاحب
''مجھے کہنا''
اپنے دل کا گھاؤ
اپنے مسائل اور دباؤ
دکھ کے اگلے پچھلے پل
اپنے اندر کی جلتی تلخی
غصہ، الجھن، یہ بکھراوا
جنم کے روگ
آئندہ وقت کی بوجھل چاپ
سے چھپنے والی
''گھائل سی
میلی لڑکی''
مجھ کو دے دو

ڈائری جلا دینا

ڈائری جلا دینا
گھر میں بھی بٹھا دینا
خوف کے دریچے میں
قید کر کے رکھ دینا
ہاتھ پاؤں باندھ کر
پنکھ دونوں کاٹ کر، صید کر کے رکھ دینا
جلنے والے
دیپک کو

پھونک سے بجھا دینا

ڈائری جلا دینا

سوچ کے چراغوں کو

آنکھ میں جلاؤں گی

ان کو ٹمٹما دینا

تم کو مان جاؤں گی!

روتا بچہ

مرے رستے میں بھی آیا ہے اکثر
روتا بچہ
امی امی
امی جی کہتا
کسی بھی راہ پر بدحال
بہتی ناک، ننگے پاؤں
انجانی کسی لمبی ڈگر پر
پاؤں کی ایڑی رگڑتا
بے اماں بچہ
یہ سوچ آتی ہے
گاڑی روک کر
اس کھوئے بچے کی

سلگتی، آنسوؤں سے تر ہتھیلی تھام لوں
اس کی لکیروں میں تلاشوں
اس کے آدم اور حوا کو
بھگتنا پڑ رہا ہے
جن کی کوتاہی کا خمیازہ
سسکتی ننھی سی جاں کو
مگر گاڑی نہیں رکتی
انہی خدشات کی رو میں
اور آگے دور تک
میں دیر تک یہ سوچتی ہوں
ایسا کرنے سے
پولیس، تھانے، کچہری کی کسی گھمبیر الجھن میں
الجھ کر رہ نہ جاؤں

⦿

شدّتِ درد ، وحشتیں لے کر
کھل اٹھا زخم خلعتیں لے کر

سانس ہموار ہو چلی تھی کہ وہ
لوٹ آیا قیامتیں لے کر

میں بھی بحرِ انا میں ڈوب گئی
جل بجھا تو بھی جرأتیں لے کر

برف زاروں میں کون اترا ہے
دھوپ جیسی حرارتیں لے کر

شام ہوتے ہی آسماں پہ کھلے
درد کا چاند حیرتیں لے کر

روبرو آئینے کے کیا جاؤں
ہجر کی زرد رنگتیں لے کر

میں خود سے جھوٹ ہر اک لمحہ بولنا چاہوں
نئے دکھوں کے نئے باب کھولنا چاہوں

ہوا کے ہاتھ پہ خوشبو بھی ناچتی ہوگی
میں تتلیوں کی طرح خود بھی ڈولنا چاہوں

کہیں وجود کے امکان میں رہے نہ کمی
سو زندگی میں کوئی رنگ گھولنا چاہوں

ہوا ہو، اَبر ہو، بارش ہو، چاند ہو، تُو ہو
میں اپنی زُلف کی گرہوں کو کھولنا چاہوں

کبھی کبھی تو مرا دل بھی چاہے رخشندہ
کہ کوئی سنتا رہے جب میں بولنا چاہوں

⦿

چاند کو دیکھ کے بچے مچل گئے ہوں گے
جنگل میں پھر تنہا نکل گئے ہوں گے

ہجرت کے سب منظر بدل گئے ہوں گے
زد پڑنے پر پتھر پگھل گئے ہوں گے

خطرے میں جب جان ہو قتل روا ہوتا ہے
سانپ بھی اپنے بچے نگل گئے ہوں گے

پہلے پہل دھڑکتے تھے رفتار سے دل
مل کر اور بچھڑ کر سنبھل گئے ہوں گے

کیا معلوم مراحلِ شوق میں کیا آئے
ہاتھوں سے جب کنگن پھسل گئے ہوں گے

⦿

اپنے دل کے بوجھ کو بھاری نہیں ہونے دیا
میں نے خود پر عمر کو طاری نہیں ہونے دیا

ضبط پر اپنے بھروسہ کم تھا، لیکن اس قدر
آنسوؤں کا سلسلہ جاری نہیں ہونے دیا

دل بہل سکتا تھا کارِ زیست میں، ہم نے مگر
دل کو اس کی یاد سے عاری نہیں ہونے دیا

ضربِ غم کی کاٹ سے بچنا تو ممکن ہی نہ تھا
اتنا ممکن تھا، اسے کاری نہیں ہونے دیا

ذہن کو دے کر تخیّل ، ہاتھ کو اپنے قلم
لمحۂ فرصت کو بیکاری نہیں ہونے دیا

روزنِ زنداں سے بھی ہم چاند کو دیکھا کیے
پنکھ کٹ جانے کو ناچاری نہیں ہونے دیا

⦿

مانگ میں چاندی، کرن کو تھامنا تھا
عمر کے رخشِ سفر کا سامنا تھا

چاند کی اور میری اپنی تھی مسافت
اور ہم دونوں کو شب بھر جاگنا تھا

تھوڑا تھوڑا اپنے اپنے حصے کا
تھک تھکا کر راستے میں ہانپنا تھا

بے امانی شہر کی بڑھتی گئی تھی
اب کھلے جنگل میں سرپٹ بھاگنا تھا

عمر بھر حیرت کا دامن کھول کر اب
ایک لمحہ زندگی سے مانگنا تھا

⊙

حُسن کی اک ضیا سی چہرے پر
چاند چہرہ گھٹا سی چہرے پر

لطف کے موسموں میں رہتی ہے
سُرخ رنگی قبا سی چہرے پر

عمر کوئی ہو خواب رکھتے ہیں
بھولپن کی ادا سی چہرے پر

وہ میرے پاس سے تو کب کا اٹھا
آج تک ہے حیا سی چہرے پر

ایک تو ہاتھ وا کیے اُس نے
دوسرے تھی وفا سی چہرے پر

کچھ نہ کہنا وہ جا رہا ہو جب
صرف اِک التجا سی چہرے پر

سُوجھا نہیں مدت سے کوئی شعر، کروں کیا
اس شخص کے آنے میں ہوئی دیر، کروں کیا

کھو بیٹھی چکا چوند میں آنکھوں کا سویرا
کچھ ایسا پڑا ان دنوں اندھیر، کروں کیا

انکار سے قائم رکھوں کچھ اپنی انا کو!
اک روز تو ہونا ہے مجھے زیر، کروں کیا

میں نے تو نہ ملنے کی قسم کھائی تھی لیکن
اِک یاد کی جھلمل نے لیا گھیر، کروں کیا

خود ہاتھوں سے توڑے ہیں کئی خواب گھروندے
شاید کہ ہے تقدیر کا یہ پھیر، کروں کیا

◉

سلسلوں کی ابتدا کو انتہا کرنا پڑا
چاہتوں میں ایک بت کو بھی خدا کرنا پڑا

بے رُخی حد سے بڑھی لیکن یقیں آتا نہ تھا
دل کو سمجھانے کی خاطر حوصلہ کرنا پڑا

چند گھڑیاں باعثِ مرگِ محبت ہو گئیں
آخری ہچکی کو بھی صرفِ دُعا کرنا پڑا

کیا سلیقے ڈھونڈتی اُس سے بچھڑنے کی گھڑی
مجھ کو اپنے ہاتھ سے ناخن جُدا کرنا پڑا

میرے جذبوں کی اڑانیں دیکھ کر وہ ڈر گیا
تنگ آ کر صید کو اِک دن رہا کرنا پڑا

⦿

کسی صورت پلٹتا ہی نہیں ہے
میری جانب وہ تکتا ہی نہیں ہے

مقامِ حیرت و حسرت سے آگے
کوئی پلکیں جھپکتا ہی نہیں ہے

میں پتھرائی کہ دل پتھرا گیا ہے
کسی پہلو دھڑکتا ہی نہیں ہے

پریدہ رنگ موسم لوٹ آئے
گلِ تازہ مہکتا ہی نہیں ہے

ستارے آبلہ پا ہو چکے ہیں
مگر رستہ چمکتا ہی نہیں ہے

اب آ جاؤ

اب آ جاؤ

اب آ جاؤ کہ کچھ بے رنگ نظمیں، کاغذوں کے پیرہن

رنگین کر ڈالیں

تم آ جاؤ کہ میرے آفتابِ صبحِ نو آثار کے روشن

چراغ ان طاقچوں میں رنگ بھر ڈالیں

غمِ ہستی پہ داغِ رُوسیاہی

چہرۂ امید کی تنہا کرن کے رنگ کی صورت میں ٹھہرا ہے

اب آ جاؤ کہ ہم اک ساتھ پھر شاخِ نوا پر

چہچہاتے پنچھیوں کو ڈھونڈنے نکلیں

اب آ جاؤ کہ سطحِ چہرۂ شاخِ ضیا پر ماہتاب اُبھرے

تم آ جاؤ کہ اب مجھ کو بھی جلتی چاندنی کے کُنج میں

قیدِ سفر کو بھول کر سونے کا یارا ہو

تم آ جاؤ............اب آ جاؤ

ساون بھی آ گیا ہے

ٹھنڈی ہوا نے آ کر
مژدہ سنایا مجھ کو
ساون بھی آ گیا ہے
چھم چھم چھما چھما چھم
یہ سن کے میرا منوا
کچھ اس طرح سے ڈولا
جیسے ہوا نے اس کو
جھولا جھُلا دیا ہو
اک طنز تھا ہوا کا

لو آ گئیں گھٹائیں
نغمے حسیں سنائیں
لیکن تمہارا آنگن
اب تک ہے سونا سونا
آئے نہ کوئی جائے
خوابوں کے خالی سائے
میں خامشی سے اس کا
یہ طنز سہہ گئی ہوں
جھونکا تو اڑ گیا ہے
میں تنہا رہ گئی ہوں

کسی کی بے وفائی پر

کوئی بھی جگ ہنسائی ہو
کسی کی بھی جدائی ہو
شکستہ پائی ہو میری
کہ میری بے نوائی ہو
کوئی بھی شے پرائی ہو
جو میرے من کو بھائی ہو
قریبی دوست سے اپنے
اگر میری لڑائی ہو
مجھے کچھ بھی نہیں ہوتا
میں سہنا سیکھ لیتی ہوں

جو میرے دل پہ گزرے
وہ کہیں کُنجِ قفس میں بیٹھ کر
خود سے ہی کہنا سیکھ لیتی ہوں
وفا کا دم جو بھرتا ہو
محبت مجھ سے کرتا ہو
اک ایسے شخص کی لیکن
کسی سے آشنائی پر
قدِ آدم آئینے کی ہار اس کی رونمائی پر
کسی کی بے وفائی پر
میں جینا بھول جاتی ہوں
جو آنسو آنکھ سے بہتے ہیں
پینا بھول جاتی ہوں

حق مہر

حق مہر بھی تیرا ہے
زیور اور گھر بھی تیرا ہے
تیری ضد تیری
تیرا اونچا سر بھی تیرا ہے
سب کچھ رکھ لے!
اِک عُمر نبھانے کا وعدہ
مجھ کو واپس لوٹا دینا

سب کے سب سوتیلے تھے

چاندنی کے سائے میں
بزم روشنی کی تھی
بات زندگی کی تھی
دلفریب منظر تھا
آتشی ہیولے تھے
رات بھر کے میلے تھے
رنگ رنگ سے کھیلے تھے

حسن سے بھرے آنچل
زرق برق پوشاکیں

ململ اور مخمل کی
شام کا تقاضا تھیں
ان کہی نمائش تھی

زیوروں کی جگمگ میں
نور قہقہوں کا تھا
اک عجب تماشا تھا
چاند ڈگمگاتے تھے
آنکھ کے پسِ پردہ
شوخیوں کے سازوں پر
گیت ان گنت جیسے
راگنی نے کھولے تھے
رُخ سے اپنا رُخ جوڑے
رَقص میں ہیولے تھے

روشنی کی تیزی میں
آنکھ بند ہوتی تھی

چار سُو صداؤں کے
ان گنت بگولے تھے
چاندنی کے سائے میں
دلفریب منظر تھے
رات بھر کے میلے تھے

پھر بھی ایسا لگتا تھا
سب کے سب سوتیلے تھے
بازوؤں کے گھیروں نے
بازوؤں کو گھیرا تھا
پھر بھی دل اکیلے تھے

کھوج

حسرتِ بہاراں میں
شاخ ٹوٹ جائے گی
پھول بوجھ سے ہوں گے
ساعتیں خموشی کی
حرف کھوج سے ہوں گے
جتنے لوگ آئے تھے
جتنے لوگ آئیں گے
اپنی اپنی باری پر
سب ہی لوٹ جائیں گے
ست رنگی تماشے میں
راستے نہیں مانگو
زندگی بتانی ہے
ذائقے نہیں مانگو

جگراتے

یہ دونوں کام ممکن ہیں
وہ دولت کو سنبھالے بھی
کسی بے کس کو پالے بھی
نئی دولت کی آمد پر
ہیں رنگ اُس کے نرالے بھی
وہ گُھلتے دیکھتا ہوگا

بدن مٹی کے ڈھالے بھی
لحد سے کھود لایا ہے
وہ گھر کی چھت کے بالے بھی
چُنے ملبے سے اینٹیں بھی
کہیں آہیں بھی نالے بھی

غریب آنکھوں کے جگراتے
شکم کے گرد چکراتے
کہیں فاقوں کے ہالے بھی
وہ کیسے خوف میں رہتا ہے روز و شب
وہ دروازوں پہ لگواتا ہے تالے بھی

نئی دولت کی آمد پر!
وہ اک بے بس محافظ ساتھ لایا ہے
عجب سازِ غم اُس کی چال کے اندر سمایا ہے
نئی دولت کی آمد پر!

لاپتہ

گزشتہ کہانیوں کا بقیہ
ڈھونڈنا پڑا مجھ کو
مختلف کتابوں میں
اجنبی علاقوں میں
بکھرے بکھرے پتوں میں
دل کے بند خانوں میں
کھو چکے زمانوں میں!
وقت کے حسابوں میں
مختلف کتابوں میں

کھوجنے پڑے مجھ کو
ماہ و سال جیون کے
ریزہ ریزہ ٹکڑوں میں
ڈھونڈنے پڑے مجھ کو
اپنی ذات کے حصّے
کچھ خیال ماضی کے
کچھ چھپے ہوئے قصّے
الجھی الجھی باتوں میں
خواب جیسی راتوں میں

بازیافت

وہ زمانہ اور ہوتا یہ زمانہ اور تھا
اس دفعہ تجھ سے نہ ملنے کا بہانہ اور تھا

بے سبب تجھ کو تلاشا گاؤں گاؤں ، شہر شہر
تو مری رگ رگ میں تھا ، تیرا ٹھکانہ اور تھا

پھول کلیوں کی گلی میں ساتھ تُو میرے رہا
جس پر آخر سر جھکا تیرا وہ شانہ اور تھا

⦿

آنکھوں میں چمک، خوں میں کچھ جوش نہ ہونا
آئینے تلک جانے کا بھی ہوش نہ ہونا

تم والیِ دل، حاکمِ دل، صاحبِ دل ہو
اس منصبِ عالی سے سبکدوش نہ ہونا

میں نقدِ زرِ جاں کی ضمانت پہ کھڑی ہوں
تم قیدِ حدِ عشق میں روپوش نہ ہونا

میں اور مری تصویر

جانے کیسا لطف اسے ملتا ہوگا
مجھ سے وابستہ انجانے قصوں میں
الفت بانٹتا رہتا ہے وہ روز و شب
مری تصویروں کے بے بس حصوں میں

قفل شدہ کمرے کے اُس آئینے میں
ہر تصویر اِک نئی کہانی کہتی تھی
صفحۂ دل پر کیا لکھا تھا؟ کیا معلوم
میں اس کی الماری میں تو رہتی تھی

دریا کی آنکھ

تشنہ دریاؤں کی ریتلی آنکھوں کو
بارش کے دو قطروں سے کیا مل جاتا
بنجر چٹیل میدانوں کی مٹی پر
اک جھونکے سے پھول بھلا کیا کھل جاتا

دور کنارے اتنے تھے کہ نیّا کو
عمر گنوانی پڑتی ان ہی لہروں میں
عشق کی اونچی منزل پانے کی خاطر
اپنی ذات میں تنہا کھڑ[illegible] رکھ[illegible] [illegible] میں



چہرہ چہرہ کھلے گلاب کو رہنے دے
مالک کچھ دن اور شباب کو رہنے دے

★

اپنے پیچھے ایک کہانی چھوڑ گیا
آنکھوں کے دریا میں پانی چھوڑ گیا

★

دل کے اِک اِک شوق پر قربان تھا، وہ بھی گیا
وہ بھی مجھ جیسا الگ انسان تھا، وہ بھی گیا

★

جواں رُت تھی پھر افسانے بھی نکلے
میرے منہ پر بہت دانے بھی نکلے

★

اُسے اک جذبے کو بے مہار کرنا تھا
وہ تو ایک دریا تھا مُجھ کو پار کرنا تھا